بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیوبند کے اکابر علماء کی ذہن سازیاں

محمد یوسف ، مدیر "المسلم"

جماعت المسلمین

قیمت :

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیوبند کے اکابر عُلماء کی ذہن سازیاں

یہ ان دنوں کی بات ہے جب راقم الحروف مسلک بریلوی سے تائب ہو کر دیوبندی مکتبۂ فکر سے وابستہ ہوا تھا

مذہبی دنیا کی سب سے بڑی بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ کسی شخص کے انتقالِ مذہب یا مسلک پر کوئی دھماکہ نہیں ہوتا، کوئی فتویٰ صادر نہیں ہوتا۔ یہ محض اس بنیاد پر کہ یہ تمام مذاہب، مسالک، مکاتب فکر یا ان کی ذیلی شاخیں دائرہ اسلام ہی کی ایک قوس مانی جاتی ہیں۔

بہرحال اس منطقی استدلال پر جس کی مرضی ہے جو مذہب، مسلک یا مکتبۂ فکر اس کے من کو اچھا لگے اسے اپنا لے۔ یہ اور بات ہے کہ عقائد اور حلال و حرام کے عظیم الشان اختلاف کی وجہ سے ان فرقہ ورانہ مذاہب و مسالک کے مابین محاذ آرائی اور بغض و عناد اور تکفیر کی گولہ باری کا جو سلسلہ صدیوں سے جاری ہے وہ ایک الگ داستان ہے مگر کتنی عجیب بات ہے کہ جب ان کے آپس کے اتحاد کا معاملہ ہوتا ہے یا دوسروں کو قائل کرنے اور مرعوب کرنے کا معاملہ ہو تو یہ سب دائرہ اسلام کے اندر ہو جاتے ہیں ورنہ باہر۔

الغرض، مذہبی دنیا کی اس آسانی سے اکثریت بہ آسانی کسی بھی مذہب، کسی مسلک، کسی مکتبہ فکر یا ان ہی کی کسی شاخ میں شامل ہو کر گروہی وفاداریاں تبدیل کر سکتی ہے لہٰذا اس سنہرے اصول کی روشنی میں کوئی شخص بریلوی مسلک سے دیوبندی، دیوبندی سے تبلیغی، تبلیغی سے اہلحدیث بن جائے تو کوئی فرق نہیں

پڑتا جب کہ دینِ اسلام میں ایسا ہرگز نہیں ہوتا کیونکہ دین تو صرف اسلام ہوتا ہے، نہ مذہب ہوتا ہے، نہ مسلک ہوتا ہے، نہ مکتبہ فکر۔

دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص صرف مسلم ہوتا ہے کسی فرقے ورانہ اور خود ساختہ نام سے منسوب نہیں ہوتا، کوئی مسلم اپنی وفاداریاں کسی صورت میں تبدیل نہیں کر سکتا اگر کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

مزید برآں دین اسلام میں تقلید شخصی بدعت ہے اور حرام ہے، یہ چیز خیر القرون میں نہیں تھی مگر مذہبی دنیا نے اس حرام شئے کو باعثِ نعمت و ثواب ہی نہیں سمجھا بلکہ اس کی تشہیر و تبلیغ کو جزءِ ایمان باور کرایا۔

تیسری صدی سے لے کر آج تک جو اختلاف و افتراق، جدال و قتال ان فرقہ ورانہ مذاہب میں تقلید کی وجہ سے رونما ہوا وہ تاریخ کے اوراق پر بدنما داغ ہیں مگر افسوس کہ مذہبی دنیا نے اختلافِ امت کے عذاب کو اللہ تعالیٰ کا عذاب تسلیم نہیں کیا بلکہ اس عذاب کو رحمت سمجھا اور "اختلاف امتی رحمتی" کا فقرہ حدیث کے نام پہ گھڑ کر اللہ تعالےٰ کے عذاب کو مزید وسعت دے کر شیرازہ بکھیرنے میں تاریخی کردار ادا کیا اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

دین اسلام میں عقیدت، محبت اور احترام میں غلو کو شرک سے تعبیر کیا گیا ہے مگر افسوس کہ علمائے مذاہب عوام الناس کے اذہان و قلوب پر ان اجزاء کو اس طرح راسخ کراتے ہیں گویا جس شخص میں یہ لوازمات نہ ہوں اس کی راسخ العقیدگی اور روحانیت دونوں کالعدم۔

یہود و نصاریٰ اور آج کے مذہبی مقلدین میں جو چیز قدر مشترک ہے وہ آیت کریمہ کی روشنی میں قابلِ غور و فکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ، ۳۱) — انھوں نے اپنے علماء اور پیروں کو اپنا رب بنا لیا ہے۔

بعینہٖ یہی روش آج بھی موجود ہے مگر تھوڑی سی ترقی کے ساتھ، اس اُمت

نے علماء اور پیروں کے ساتھ ساتھ ائمہ اور اولیاء کو بھی اپنا رب بنالیا ہے۔ اہل کتاب تو اس روش کی وجہ سے مشرک کہلائے گئے مگر ستم ظریفی دیکھئے کہ آج کلمہ گو امت اہل کتاب جیسی مشرکانہ روش اور عقیدے کو اپنا کر بھی دائرہ اسلام کے اندر تصور کی جاتی ہے۔ ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے

برسبیل تذکرہ ذرا ملاحظہ فرمائیے، امین احسن اصلاحی صاحب کس طرح ذہن سازی کرتے ہیں، وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:۔

"انسان کی فطرت میں شرک نہیں ہے اور مسلمان تو شرک کا تصور بھی نہیں کر سکتا، ایک عامی سے عامی شخص بھی ہر قسم کے الزامات سہہ لے گا، ہر قسم کی معصیتوں کا اعتراف کر لے گا لیکن اگر آپ اس کے کسی عقیدے یا عمل میں کسی معمولی شائبۂ شرک کی نشاندہی کیجئے گا تو وہ تلملا اٹھے گا" (حقیقت دین ص ۱۳)

مگر دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے:۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُشْرِكُوْنَ ۝ (یوسف ۱۰۶)	اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے باوجود مشرک ہوتے ہیں۔

اگر آیت مذکورہ کی روشنی میں کوئی کلمہ گو شرک کا مرتکب ہو کر بھی مشرک نہیں ہو سکتا تو پھر ان مشرکوں کو مشرک کا ٹھپہ لگانے کا کیا جواز رہ جاتا ہے جو سرے سے ایمان ہی نہیں لاتے، یہ عجیب منطق ہے کہ ع

کرے غیر بُت کی پوجا تو کافر

مگر دعویٰ یہ ہے کہ مسلمان شرک تو کجا، شرک کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اصلاحی صاحب اس گمراہ کن تاویل سے ان کا اپنا کیا مفاد وابستہ تھا یا اصلاح کا کون سا پہلو تھا یہ ہم نہیں جانتے مگر اصلاحی صاحب اور ان کے پیشرو علماء کی تاویلوں اور ذہنی موشگافیوں سے اتنا ضرور ہوا کہ بدقسمتی سے اب شرک کو توحید اور بدعت کو سنت کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ بلاشبہ ان علماء کا یہ حیرت انگیز کارنامہ ہے جو قرآن و سنت کا دم بھرتے ہیں

اور دین اسلام کی جڑیں بھی کھوکھلی کرتے ہیں۔

اگرچہ ورثے میں ملے ہوئے غواص ثلثہ اور آبائی تقلید کی موجودگی میں مذہب پر لب کشائی کی اجازت تو نہیں دیتا اس لیے کہ یہ بھی عقیدت و احترام کے منافی ہے مگر دیوبندی مکتبہ فکر سے وابستگی میں اکابر علماء کا کچھ ایسا حیرت انگیز لٹریچر پڑھنے کو ملا کہ عقیدت و احترام کی ساری سرمستیاں کافور ہو گئیں۔

اکابر علماء سے جب ان لوازمات میں شائبہ شرک کے بجائے علانیہ شرک کی موجودگی پر بحث کی جاتی ہے تو یہ مقلد علماء کہا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہیں اور پھر ان کی ٹکسال سے تاویل، تطبیق اور منطق کی ایسی ایسی علمی موشگافیاں برآمد ہوتی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است؟

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ آج بھی اگر ان فرقہ ورانہ مذاہب کے عقائد و اعمال کو قرآن وسنت کی روشنی میں مسترد کر دیا جائے تو بقول اصلاحی صاحب یہ سب تلملا اٹھتے ہیں۔

عقیدت و احترام کی جملہ خصوصیات ان کے ہاں جس پیمانے پر مروج ہیں مشتے نمونے از خروارے پیش خدمت ہیں اگر ان ہی کے بیان کردہ عقائد کھلے شرک اور کفر نہیں تو پھر مشرکینِ مکہ بھی مشرک اور کافر نہیں رہیں گے۔

نوٹ: مضمون ہذا کی پہلی قسط میں ہم اکابر علمائے دیوبند کے کچھ تذکرے بمعہ تبصرے معذرت کے ساتھ پیش کریں گے اور قسط دوم میں الہامی مدرسہ دارالعلوم دیوبند پر روشنی ڈالیں گے تاکہ غواصِ ثلثہ کے غلو میں سرشار طبقہ حق و باطل کا فرق محسوس کر سکے نیز قرآن وسنت کے کھوکھلے دعوؤں کی قلعی بھی کھل جائے۔

قسط اوّل

انتباہ۔ مضمون ہٰذا میں بعض مقامات پر نامناسب الفاظ مثلاً غیر اللہ کے لیے مولانا کا استعمال، اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ خدا کا استعمال اور اکابر علمائے دیوبند کے لیے تعظیمی القابات کا استعمال وغیرہ ان تمام غیر مسنونہ الفاظ کے سلسلہ میں ہم معذور ہیں، ہم نے مضمون نگار حضرت کے الفاظ بعینہٖ نقل کر دیے ہیں۔

فضائل اکابر دیوبند

تذکرہ:

سید فصیح احمد دہلوی فرماتے ہیں کہ

"ارواح ثلٰثہ کے مصنف امیر شاہ خان نے اپنی کتاب میں مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بڑی عقیدت سے یہ عقیدہ بیان کیا ہے:۔
حضرت گنگوہیؒ نے مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی سے فرمایا کہ فلاں مسئلہ شامی میں دیکھو۔ مولانا صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وہ مسئلہ شامی میں تو ہے نہیں۔ فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے، لاؤ شامی اٹھاؤ، شامی لائی گئی، حضرت اس وقت آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے۔ شامی کے دو ثلث اوراق دائیں جانب کر کے اندر سے ایک کتاب کھولی اور فرمایا۔ بائیں طرف کے صفحہ پر نیچے کی جانب دیکھو۔ دیکھا تو وہ مسئلہ اسی صفحہ پر موجود تھا سب کو بڑی حیرت ہوئی۔
حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ حق تعالے نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری زبان سے غلط نہیں کہلوائے گا۔" (بحوالہ کتاب "گھر کے بھیدی" ص ۳۲)

تبصرہ

خطِ کشیدہ الفاظ پڑھ کر ہمیں بھی سخت حیرت ہوئی، اگر ولایت کرامت تک ہی محدود رہتی تو صبر بھی کر لیتے مگر بات ولایت سے ہٹ کر بلند پروازی کے کتنے منازل طے کرتی دکھائی دیتی ہے، ذرا غور فرمائیے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ (نجم ۳ و ۴) (رسول) اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں کہتا، اس کی جو بات ہوتی ہے وحی ہوتی ہے (جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے)۔

گنگوہی صاحب کے قولِ مذکور میں شرک فی الرسالت اور عقیدہ ختم نبوت کا کھلا کفر اپنی جگہ مگر اس کے ساتھ توہینِ رسالت کا جو نمایاں پہلو سامنے آیا وہ ایسی بدترین مثال ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

گنگوہی صاحب کا یہ فرمانا کہ حق تعالےٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری زبان سے غلط نہیں کہلوائے گا، یہ ایسا دعویٰ ہے جو گنگوہی صاحب کو مرتبہ نبوت سے کہیں بلند مقام پر فائز کرتا دکھائی دے رہا ہے اس لیے کہ جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے گنگوہی صاحب سے فرمایا ہے ایسا وعدہ تو اپنے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نہیں فرمایا۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ اے آنکھ والو عبرت حاصل کرو۔

آنکھوں سے معذور گنگوہی صاحب کے اس واقعہ میں آنکھ والوں کے لیے بڑی عبرت کے سامان موجود ہیں مگر تعجب ہے قادیانی تحریک کے خلاف محاذ قائم کرنے والے اپنے گھر کی خبر نہیں لیتے۔

اگر بالفرض محال ہم یہ تسلیم کرلیں کہ اکابر دیوبند کے لیے سلسلہ وحی منقطع ہوجانے کے باوجود جاری تھا تو پھر بھی ایک سوال جواب طلب ضرور ہے کہ اب انہیں وحی کون بھیج رہا تھا؟ کیا اکابر علماء اس مسئلہ کا جواب دے سکتے ہیں؟ کیونکہ اگر ہم کچھ کہیں گے تو بقول اصلاحی صاحب یہ سب تلملا اٹھیں گے۔

اس عجوبۂ روزگار واقعے میں بہت سی باتیں حیرت انگیز ہیں۔

حیرت اس پر بھی ہے کہ شامی کے دھوکہ میں مسئلہ کسی اور کتاب سے برآمد ہوتا ہے لیکن آخر ایسی شعبدہ بازی کی کیا ضرورت تھی؟ یہی بات سیدھے طریقے سے بھی بیان کی جاسکتی تھی کہ فلاں مسئلہ شامی نامی کتاب میں نہیں بلکہ اسی میں رکھی ہوئی ایک کتاب میں موجود

ہے دیکھ لو مگر۔۔۔ یہ بات بھی کم حیرت انگیز نہیں کہ دینی مسائل قرآن مجید اور کتب احادیث میں دیکھے جاتے ہیں مگر یہاں شامی طلب کی جاتی ہے اور شامی کس پایہ کی کتاب ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں ہے، ایک ایسی کتاب جس کا پایہ ہی نہیں، باقی سب کچھ موجود ہے۔

ہم نے اس سے قبل عرض کیا تھا کہ اکابر علماء کی ٹکسال میں ہر کھوٹے سکہ کو صحیح ثابت کرنے کا جواز موجود ہوتا ہے ہم لاکھ کہتے رہیں کہ گنگوہی صاحب کے مذکورہ واقعہ میں شرک، کفر، توہین رسالت اظہر من الشمس ہے مگر عقیدت و احترام کی آڑ میں کس طرح ان حقائق کی پردہ پوشی اور ذہن سازی کی جاتی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(تذکرہ)

اشرف علی تھانوی صاحب سے کسی نے پوچھا کہ حضرت اس واقعہ پر آپ کیا روشنی ڈال سکتے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں:۔

"وہی مقام کا نکل آنا گو اتفاقاً بھی ہو سکتا ہے مگر قرائن سے یہ باب کشف سے معلوم ہوتا ہے ورنہ جزم کے ساتھ نہ فرماتے کہ فلاں مسئلہ شامی میں دیکھو" (حاشیہ ارواح ثلثہ)

تبصرہ

اب کشف کیا چیز ہے اس کی وضاحت قادیانی مبلغ آنجہانی اللہ دتہ کی زبانی سنیے جو انہوں نے ایک موقعہ پر علمائے دیوبند کو قائل کرنے کے لیے کہی تھی "بات صرف اتنی ہے کہ جس کو آپ صاحب کشف ولی کہتے ہیں ہم اسے نبی کہتے ہیں" (ملفوظات اللہ دتہ)

اللہ دتہ صاحب کی اس کسر نفسی کے باوجود قادیانی کافر قرار دیے جا چکے ہیں مگر دیوبندی مبلغ صاحب کشف ولی کو نبی نہیں کہتے البتہ انہیں مقام نبوت سے بھی بلند مقام پر فائز کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔

اشرف علی تھانوی صاحب نے جس عقیدت مندی سے گنگوہی صاحب جیسے صاحب کشف ولی کے کلام کی تاویل کی ہے اس کا ایک خاص پس منظر ہے ورنہ اشرف علی صاحب جزم کے ساتھ تاویل نہ فرماتے۔ وہ پس منظر کیا ہے؟

شیخ الحدیث جناب زکریا کاندھلوی فرماتے ہیں:۔

(تذکرہ)

"ہر شخص کا ایک درجہ ہوتا ہے، ہر کس و ناکس کے کلام کی تاویل نہیں کی جا سکتی اور میرا عقیدہ اکابر دیوبند اعلیٰ مراتبہم نور اللہ مراقدہم کے متعلق یہ ہے کہ وہ جہاں بندۂ علوم ہیں ان کے کلام میں غلطی تو ہو سکتی ہے مگر ان کی غلطی کو پکڑنا ہر شخص کی بات نہیں، اگر ان کے کلام کے صرف ظاہری الفاظ پر کوئی شخص کسی مفتی سے فتویٰ لے لے تو مفتی ظاہر الفاظ پر حکم لگائے گا، مفتی کی یہ ذمہ داری نہیں کہ ہر کلام کی تحقیق کرتا پھرے کہ یہ کلام کس کا ہے" البتہ جب یہ تحقیق ہو جائے کہ یہ کلام اتنے بڑے شخص کا ہے تو مفتی کے ذمہ بہت ضروری ہے کہ وہ صاحب کلام کا حال معلوم کر کے ضرور تاویل کرے"

(اکابر علمائے دیوبند ص۱۸)

تبصرہ

بتائیے، اس ذہن سازی کے بعد کس کا حوصلہ ہے کہ وہ گلہائے عقیدت و احترام کے پردے میں چھپے شرک و کفر پر اپنی زبان کھولے اور پھر بعد از تحقیق یہ بھی معلوم ہو کہ کلام گنگوہی صاحب جیسے بڑے کا ہے تو پھر قصہ ہی ختم۔

اگر منصور حلّاج کو نعرۂ انا الحق کے جرم میں سولی پر چڑھا دیا گیا تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ ظاہر پرستوں کی عدم تحقیق کا نتیجہ تھا، ان مفتیوں نے ظاہر پر فتویٰ دے کر غریب کو سولی پر چڑھا دیا ورنہ اگر وہ تھوڑی سی تحقیق کی زحمت گوارہ کر لیتے کہ کہیں منصور نے حالت سکر میں نعرۂ انا الحق تو نہیں لگایا اگر وہ ایسا کر لیتے تو شاید تاویل کے ذریعہ صاحب کشف ولی کو پھانسی کے پھندے سے نجات مل جاتی۔

کم از کم اکابر علمائے دیوبند تو اپنے اس اصول کی روشنی میں منصور کو ضرور بچا لیتے، مگر افسوس کہ اس زمانے میں ان حضرات کا وجود ہی نہیں تھا۔

تذکرہ

سید فصیح احمد لکھتے ہیں:۔

ارواح ثلاثہ کے مصنف ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:

"مولانا قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند جب حج کے لیے جانے لگے تو عبداللہ خان راجپوت کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے رخصتِ سفر کے لیے دعا کی درخواست کی۔ خان صاحب نے بڑی عاجزی وانکساری سے فرمایا:۔

"بھائی! میں تمہارے لیے کیا دعا کروں؟ میں نے آپ کو اپنی آنکھوں سے دوجہاں کے بادشاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بخاری پڑھتے ہوئے دیکھا ہے"!

(حوالہ ارواح ثلاثہ ص۲۰۲) ماخوذ کتاب گھر کے بھیدی ص۳۷)

تبصرہ

قربان جایئے اس عقیدت واحترام کی شدت پر کہ یہ اندازہ لگانا بھی مشکل ہے کہ کس بزرگ کا پایہ کس بزرگ کے پایہ سے اونچا ہے، اُن کا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بخاری شریف پڑھ رہے تھے یا اُن کا جنہوں نے اپنی آنکھوں سے نانوتوی صاحب کو بخاری شریف پڑھتے ہوئے دیکھا۔

ہوسکتا ہے کہ بخاری شریف کی فضیلت بیان کی جارہی ہو مگر شاید یہ ہمارا حسنِ ظن ہو کیونکہ درحقیقت مدرسہ دیوبند میں عقاید جیسے ضروری علم کے لیے صرف شرح عقاید نسفی پڑھائی جاتی ہے جو نہ روائیتاً صحیح اور نہ درائیتاً۔ اس کے علاوہ سات آٹھ سال قدوری، ہدایہ، فتاویٰ عالمگیری، درمختار، کنزالدقائق اور شرح وقایہ قسم کی درسی کتب (درس نظامیہ) کے بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں۔ آخر میں کہیں بخاری شریف کی ورق گردانی کرائی جاتی ہے، اگر لفظاً پڑھائی جائے تو انہیں خطرہ ہے کہ مذہبِ حنفیہ کی فلک بوس عمارت کہیں زمین بوس نہ ہوجائے اور ان کا یہ اندیشہ درست بھی ہے۔

اگر بالفرض محال اس واقعہ کی صداقت کو ایک لمحہ کے لیے تسلیم کرلیا جائے تو یہ کتنی حیرت کی بات ہے کہ بانی دارالعلوم دیوبند کو جو چیز اوائل عمر ہی میں پڑھنی چاہیے تھی وہ عمر کے آخری حصے میں پڑھ رہے ہیں اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے سامنے جنہیں ان اکابر نے دو جہاں کا بادشاہ بھی بنا دیا۔

مزید برآں علمائے دیوبند کے بھائی بند بریلوی حضرات اگر یہ عقیدہ بیان کریں کہ ہماری محفل میلاد میں صلاۃ وسلام سننے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس تشریف لاتے ہیں تو یہی دیوبندی حضرات چیخ چیخ کر آسمان سر پہ اٹھا لیتے ہیں، انہیں بدعتی اور مشرک قرار دے کر ان کے پیچھے نماز تک نہیں پڑھتے مگر یہ حضرت دعویٰ کریں اور اپنے دعوے کی گواہی میں عبداللہ خان کو پیش کریں (جیسا کہ نانوتوی صاحب کے قصے میں آپ پڑھ چکے) تو اس پہ تکفیر کی گنجائش نہیں، آخر یہ کیا ماجرا ہے ؟

تذکرہ

سید فصیح احمد لکھتے ہیں:۔

"نقیب امت نامی کتاب میں ایک رانی ساگری صاحب کا قصہ درج ہے جو بڑے کشفِ کمالات بزرگ تھے، یہ واقعہ ان کے تصرّف کی انوکھی مثال ہے۔ ان کی صاحبزادی ثامنہ خاتون اس واقعہ کی راوی ہیں، وہ بیان کرتی ہیں:۔

"جب ہمارا گھر بننے لگا تو والد صاحب قبلہ کی ہدایت کے مطابق سب سے پہلے پائخانہ میں ہاتھ لگا، وہ زمانہ برسات کا تھا لیکن بارش نہیں ہو رہی تھی، دھان کی روپنی ہو چکی تھی، کسان سخت پریشان تھے۔

میں نے والدِ محترم سے درخواست کی کہ بارش کے لیے دعا فرما دیجیے۔ فرمایا، بارش کیسے ہو گی ؟ اپنا پائخانہ جو تعمیر ہو رہا ہے۔" (نقیبِ امت ص، بحوالہ مذکور گھر کے بھیدی ص۳۹)

تبصرہ

احمد رضا خان صاحب بریلوی نے کسی زمانہ میں جب یہ شعر کہا کہ

؎ ماذون بھی ہے مختار بھی ہے!
کار عالم کا مدبّر بھی ہے عبدالقادر (حدائق بخشش ص۴۲)

تو دیوبندی حضرات نے بریلویوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ فتوؤں سے تکفیر کی ایسی گولہ باری کی کہ ایک عرصہ تک اس کی صدائے بازگشت سنائی دیتی رہی۔

مگر دیکھئے کہ کارخانہ قدرت کے ہر کام میں دخیل کتنے مختار ہیں یہ اکابر دیوبند۔ مرتبہ نبوت سے اتنے بلند کہ جو چاہے ان کا حسن کرشمہ ساز کرے کے مصداق اپنے ذاتی مفاد کے لیے بارش تک کو رکوا دیں، ذرا موازنہ کیجیے کہ دور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں مسجد نبوی کی کچی چھت ٹپکتی رہی، صحابہ کرامؓ بھیگے کپڑوں سے کیچڑ میں نماز ادا کرتے رہے، کسی صحابیؓ کی جبین پر شکن تک نہ آئی، کسی صحابیؓ نے بھی نہ اس تکلیف کی شکایت کی نہ درخواست کی، آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول ہیں، بارش رکوا دیں۔ کیونکہ وہاں تصرفات و کمالات کے عجائبات کے دیومالائی قصے کہاں! یہ پُرفریب رنگ آمیزیاں تو ان ہی کا طرہ امتیاز ہیں، فصل خراب ہوتی رہے، زمین پیاسی رہے، کسان پریشان ہوتا رہے، بارش ہرگز نہیں ہوگی، ہوگی بھی کیسے! صاحب کشف کمالات بزرگ کا پاخانہ جو تعمیر ہو رہا تھا۔

اب اس پُرلطف لطیفہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ کی تکذیب اور توہینِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلو نمایاں نظر نہ آئے تو قصور کس کا ہے؟

کم از کم اکابر دیوبند کا تو نہیں، اس لیے کہ عقیدت و محبت اور احترام کا مرکبِ معجون ہی ایسی چیز ہے کہ اول تو کچھ نظر آتا نہیں اور اگر کچھ نظر آ بھی جائے تو ان کے ہاں کے مسلّمہ اصول آنکھ بند کر لو، گونگے بن جاؤ، بہرے بن جاؤ۔ بلاشبہ ان اصولوں پر یہ اکابر اتنی سختی سے کاربند ہیں کہ اتنا تو وہ اپنے خود ساختہ مذہب پر بھی نہیں، یہ بات دیگر ہے کہ اپنے مذہب کی حمایت کا کوئی موقعہ وہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ کاش اس مکتبہ فکر کے شیخ الحدیث حضرات قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو مقدم رکھتے تو شاید دہلی کے کتاب و سنت کے مدرسہ کے مقابلے حنفی مذہب کی حفاظت کی خاطر انہیں دیوبند میں مدرسہ قائم نہ کرنا پڑتا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن وسنّت کی تسبیح پڑھنے کے باوجود جب ان ہی دو چیزوں کو ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو بڑی دیدہ دلیری سے مسترد کر دیتے ہیں، اس روش سے نتائج جو رونما ہوئے وہ الگ المیہ، لیکن ایسی سنگین روگردانی کے صلہ میں انہیں کیا ملا؟ لہوالحدیث کے وہ انبار جو اس مکتبۂ فکر کے ذرائع وابلاغ ایک صدی سے عوام الناس کے سامنے لگا چکے ہیں، اسی انبار سے یہ چند نمونے پیش کئے گئے۔ یہ وہ نادر نمونے ہیں جنہیں بریلوی بھی پڑھ کر انگشت بدنداں ہیں۔ شاید وہ زبان حال سے کہہ رہے ہوں ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

غالباً اسی لیے قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو بالآخر یہ کہنا پڑا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم دیوبندی احترام اولیاء وائمہ اور مزارات کے سلسلہ میں سوائے سجدہ کے سب کچھ وہی کرتے ہیں جو (دوسرے) بریلوی کرتے ہیں۔

قسط دوم

قارئین! گزشتہ اشاعت میں ہم نے اکابر علمائے دیوبند کے "اتحادی دین،، کے بارے میں چند تذکرے پیش کیے تھے اور ثابت کیا تھا کہ کس طرح محبت وعقیدت اور احترام کی آڑ میں شرک، کفر اور بدعات کو فروغ دیا گیا ہے بلکہ دین اسلام کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش بھی کی گئی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ مذہب بنتے ہی اس لیے ہیں کہ سہ سلہ معیار یعنی شرک، کفر اور بدعت کو فروغ دیا جائے اور اسلام کو بھی ایک میں تین اور تین ایک ثابت کیا جاسکے، گویا اب عقیدۂ تثلیث صرف عیسائیوں کا خاصہ نہیں رہا۔ زیر نظر مضمون الہامی مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے عجیب وغریب

فضائل سے متعلق ہے۔

عقیدت مند اکابر علمار نے اس باب میں بھی سینکڑوں مضامین لکھ دئے اور مدرسۂ ہذا کے ایک ایک گوشے اور ایک ایک اینٹ پہ فصاحت و بلاغت کی ایسی مینا کاری کی گئی ہے کہ پیرانِ طریقت و تصوّف بھی انگشت بدنداں ہیں کہ ؎

یا شیخ یہ ماجرا کیا ہے   اکابر دیوبند کو ہوا کیا ہے

بہرحال مدرسہ کی فضیلت پر جو ذہن سازی اور رنگ آمیزی کی گئی ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دنیائے اسلام کی اولین یونیورسٹی مسجد نبوی کو بھی وہ شرف عطا نہ ہوا جو مدرسۂ ہذا کو حاصل ہوا۔

اکابر علمار کا اولین تاثر یہ ہے کہ کرّہ ارض پر نمودار ہونے والا یہ مدرسہ نہ صرف اشارات غیبی کے تحت منصہ شہود پر ابھرا بلکہ بقول قاری محمد طیّب صاحب اسکا سنگِ بنیاد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے رکھا (معاذ اللہ)

یہاں اس امر کا تذکرہ بھی غیر ضروری نہیں ہوگا کہ دیوبندی مکتبۂ فکر سے قلبی اور روحانی تعلق کے زمانے میں راقم نے جب مسعود احمد صاحب امیر جماعت المسلمین کی کتاب "تلاش حق" پڑھی اور جب الہامی مدرسہ کے بارے میں ان کے یہ REMARKS پڑھے کہ

"دہلی کے کتاب وسنّت کے مدرسہ کے مقابلے میں حنفی مذہب کی حفاظت کی خاطر انھوں نے دیوبند میں مدرسہ قائم کیا، اب اس کو کتاب وسنّت کا بغض کہا جائے یا حنفی مذہب کی عصبیّت وحمیت"

مسعود احمد صاحب کے اس آزادانہ اظہارِ خیال پر یقین کیجئے کہ مجھے سخت صدمہ پہنچا تھا، یہی نہیں بلکہ عقیدت، محبّت اور احترام کے لات، منات اور ہبل کو بھی شدید جھٹکے لگے تھے اور مذہب کے خود ساختہ خول میں رہتے ہوئے مجھے گمان تھا کہ یقیناً جناب مسعود احمد صاحب کو جیّد اکابر و فاضل علمائے دیوبند سے ایک "خاص قسم کا" بغض ہوگیا ہے ورنہ اکابر علمار کا کتاب وسنّت سے بغض ناممکن بلکہ قطعی ناممکن ہے،

بھلا بتایئے، قرآن وسنت کا عطر و مغز کشید کرنے والے، اسے اوڑھنا بچھونا بنانے والے اکابر علماء کا کتاب وسنت سے بغض ـــــ چہ معنی دارد

مگر جب مذہبی خول سے باہر نکل کر تقلید کا پٹہ گردن سے اتار کر تلاش حق کے لیے جستجو کی گئی اور کتاب "تلاش حق" کے جرأت مندانہ حقائق کا مذہب سے موازنہ کیا گیا تو بہتر فرقوں میں تقسیم ہو جانے والی مغضوب علیہ یہود ونصاریٰ کی پوری تاریخ تہتر فرقوں میں تقسیم ہونے والی اس امتِ بیضاء کے آگے ہیچ نظر آئی اور ستم ظریفی کی انتہا تو یہ ہے کہ آج کسی مذہب، کسی مسلک یا کسی مکتبۂ فکر کے متبعین کو یہ احساس ہی نہیں رہا کہ تہتر فرقوں کی تقسیم کی وعید میں وہ شامل ہیں یا مستثنیٰ۔

ع کارواں لٹتا رہا اور احساس زیاں جاتا رہا!

الغرض، جب خوش فہمیاں اور خام خیالیاں نقطہ عروج پر پہنچ جائیں تو زیاں اور ہلاکت کا احساس ہی کسی کو کب رہتا ہے اور جب عوام الناس کے اذہان وقلوب میں یہ بات جاگزیں کر دی جائے کہ بدعتِ سیئہ ہی دراصل بدعتِ حسنہ ہے تو اس ذہن سازی کے بعد کس کا حوصلہ ہے کہ زبان کھولے اور پھر بڑے بڑے جغادری قسم کے مجتہدینِ مذہب بھی اس مسئلہ میں دم نہ مار سکے تو عوام کس شمار میں ہیں۔

اکابر علمائے دیوبند کی سوسالہ تاریخ اور ان کے کارنامے اس بات کے گواہ ہیں کہ انہوں نے دینِ اسلام کو بالائے طاق رکھ کر مذہبِ حنفیہ کے لیے کتنی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اگر آج امام ابوحنیفہؒ زندہ ہوتے تو ان کے نام سے منسوب مذہب کے مرتبان میں بریلویت، شیعیت اور دیوبندیت سے تیار کردہ معجونِ مرکب سے بیزاری کا اعلان فرماتے اور اس معجونِ مرکب سے توانائی حاصل کرنے والوں سے بھی۔ اب جن اکابر نے اس معجونِ مرکب کو اسلام باور کرانے کی ذہن سازی کی ہے ان میں قاری طیب صاحب جیسے ذی علم بھی سرفہرست ہیں۔

تذکرہ

دیکھیے قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مدرسہ کے بارے میں

عوام الناس کی ذہن سازی کرتے ہوئے کیا فرماتے ہیں:۔

"دارالعلوم دیو بند کا اجراء عام اور موجودہ طریقہ پر نہیں ہوا کہ چند افراد نے بیٹھ کر مشورہ کیا ہو کہ ایک مدرسہ قائم کیا جائے اور مجموعی رائے سے مدرسہ دیو بند قائم کر دیا گیا ہو بلکہ یہ مدرسہ الہام غیب سے قائم کیا گیا ہے۔ قدرتی طور پر ایک باطنی اجماع اس پر منعقد ہو گیا کہ ایک مدرسہ قائم کیا جائے تاکہ اس ملک میں مسلمانوں کا دین محفوظ ہو جائے۔ یہ تھے الہامات غیب جن کے تحت ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ بمطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء کو اس ادارے کا آغاز ہو گیا"

(بحوالہ مضمون "الہامی مدرسہ" ماہنامہ الرشید دار العلوم دیو بند نمبر ص ۱۳۷)

تبصرہ

قاری طیب صاحب عالم فاضل ہونے کے علاوہ سنی مسلمان بھی ہیں۔ اُن کی سُنی سنائی باتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ

اوّل ــــ مدرسہ کا اجراء کسی مشورے سے نہیں بلکہ الہام غیب سے ہوا۔

ثانیاً ــــ مزید یہ کہ قدرتی طور پر ایک باطنی اجماع اس پر منعقد ہوا۔

ثالثاً ــــ تاکہ مسلمانوں کا دین محفوظ ہو جائے۔

(اوّل، مدرسہ کا اجراء)

قاری طیب صاحب نے بڑے فخر سے الہام غیب کا مژدہ جانفزا سُنا کر لوگوں کو یقین دلا دیا ہے کہ مدرسہ کی بنیاد عناداً نہیں بلکہ یہ سب کچھ ہاتفِ غیبی کے اشارے پر وقوع پذیر ہوا ہے جسے الہام غیب کا نام دیا گیا ہے۔ بالفرض محال ہم اسے الہام غیب ہی تسلیم کر لیں تو قاری طیب صاحب کی دوسری منطق کو کس خانے میں فٹ کریں؟ بریلویت کے یا اہل رفض کے؟

(ثانیاً۔ باطنی اجماع)

معلوم نہیں قاری صاحب کی الہام غیب والی بات درست ہے یا باطنی اجماع والی بات صحیح ہے، بہر حال دروغ بر گردن راوی اگر موصوف کی باطنی اجماع والی بات درست ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ اگر کسی صاحبِ کشف کمالات بزرگ نے ہاتفِ غیبی کی مدد سے

جماع منعقد کروا بھی دیا ہو تو وہ اجماع کس مخلوق کا اجماع تھا، اگر کسی غیر مرئی مخلوق کے بجائے انسانوں کا اجماع تھا تو وہ باطنی کب رہا، وہ تو ظاہر ہو گیا۔ مزید براں اگر مدرسہ کا اجراء چند افراد کے مشورے کے بغیر ہی کرنا تھا تو باطنی اجماع آخر کس لیے منعقد کروایا گیا؟

مگر بات یہ ہے کہ جب معاملہ ایک نئے اتحادی دین سے روشناس کرانا ہی ٹھہرا تو ہم جیسے ظاہر پرست ایسی عالمگیر سچائیوں کو اہل بدعت کی خرافات ہی سمجھیں گے ورنہ دین کا ادنیٰ طالب علم بخوبی جانتا ہے کہ کشف و کرامات، مراقبے والہامات، ہاتفِ غیب، باطنی اجماع زیارت فی المنام جیسے غیر شرعی لوازمات کہاں سے ان کے اندر داخل ہوئے اور کس نے یہ جراثیم داخل کئے؟ اگر ان لوازمات پر انہیں ناز اور فخر ہے تو پھر یہ ان کی کوئی خصوصیت نہیں، یہ عجوبۂ روزگار نوادرات، ہندو، بھکشو پنڈتوں، عیسائی راہبوں، بدھسٹوں اور جینیوں میں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں، صرف احناف کا ہی طرۂ امتیاز نہیں جن پہ ناز کیا جائے۔

(ثالثاً۔ مسلمانوں کے دین کی حفاظت)

جب مدرسہ ہذا کے مسلک سے ثابت ہو چکا کہ حنفیت کے استحکام کے لیے یہ مدرسہ عالم وجود میں آیا تو پھر دین کی حفاظت کا دھوکہ آخر مسلمانوں کو کس لیے دیا گیا ہے؟ ہو سکتا ہے تقیۃً ایسا کیا گیا ہو لیکن تقیّہ جن کی ایجاد ہے اس طبقہ نے بھی کبھی اس قسم کے جھوٹ کا سہارا لے کر دین کی حفاظت کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا، لیکن قاری صاحب دین کا نام استعمال کرنے سے ذرہ برابر بھی نہیں شرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا منزل من اللہ دین اسلام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ کی شکل میں کامل اور محفوظ بھی ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المائدہ ۳) آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔

بہر حال قاری طیب صاحب کا اصرار ہے کہ مدرسہ کا اجرا کسی اور مقصد کی خاطر نہیں بلکہ دینِ اسلام کی حفاظت کی خاطر تھا تو ان کے لیے ایک بڑی مشکل ان ہی کے ایک جید عالم جناب انور شاہ کشمیری کے صاحبزادے انظر شاہ کشمیری نے پیدا کر دی ہے، وہ گھر کے بھیدی بن کر جو انکشاف فرما رہے ہیں وہ دین اسلام کی تسبیح پڑھنے والوں کے لیے لمحہ فکریہ ہیں شاہ صاحب کے مندرجہ ذیل اقتباسات گویا مسعود احمد صاحب کے ریمارکس کی تائید ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

"دار العلوم دیوبند کے ایک نامور فاضل اور مجاہد جلیل مولانا عبید اللہ سندھی نے مسلک دار العلوم کا ایک مرتبہ تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ دار العلوم کا اساسی مقصد حنفیت کی تائید ہے، بے تکلف عرض ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے درس سے یہ اہم مضمون اپنی مطلوب وواقعیت کے ساتھ منصوص نہ ہو سکا، شاہ صاحب علیہ الرحمۃ حنفی نقطہ نظر سے ہم آہنگی کے باوجود کیونکہ خود اجتہاد کا دعویٰ رکھتے تھے اس لیے حنفیت کو حضرت شاہ صاحب کے غزارۂ علمی سے متوقع فائدہ نہیں پہنچ سکا لیکن اس کمی کی دار العلوم نے بھرپور تکمیل کی۔ حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ نے حنفیت کی تائید کے لیے اپنی تدریس و تصنیف میں بے مثال کام انجام دیا لیکن اس حقیقت کے اظہار میں بھی کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ سیدنا الامام کشمیریؒ نے اپنی عبقریتِ خاص اس "مقصد شریف" کے لیے اس طرح فرمائی کہ بقول آپ کے "میں نے حنفیت کو اس طرح مستحکم کر دیا ہے کہ اب انشاء اللہ سو سال تک اس کی بنیادیں

غیر متزلزل رہیں گی بلکہ حنفی مکتبۂ فکر کی تائید میں جو کام خدا سے تعالیٰ نے آپ لیا اسی کا اظہار کرتے ہوئے آپ اس حقیقت کے بیان میں بھی کوئی تامل نہیں تھا کہ

"خدائے تعالیٰ نے مجھے اس عہد میں حنفیت کے استحکام کے لیے پیدا فرمایا ہے یہی نہیں بلکہ ڈابھیل میں تقریر کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنی عمر کے ۳۰ سال صرف اس مقصد کے لیے صرف کردئے کہ دیکھوں کہ فقہ حنفی حدیث کے مطابق ہے یا نہیں، سو میں اپنی ۳۰ سالہ محنت کے بعد مطمئن ہوں کہ جہاں جس درجہ کی حدیث دوسرے فقہاء کے پاس ہے اسی درجہ کی حدیث امام اعظمؒ کے پاس بھی ہے اور جہاں حدیث نہ ہونے کی بنا پر امام صاحبؒ نے مسئلہ کی بنیاد قیاس پر رکھی وہاں خصم کے پاس بھی کوئی حدیث نہیں ہے۔" (ماہنامہ الرشید صفحہ ۳۱۵)

انظر شاہ صاحب کے اعتراف حقیقت کے بعد قاری طیب صاحب کا دعویٰ حفاظتِ دین خود بخود کالعدم ہو جاتا ہے، اب یہ دوسری بات ہے کہ دین اسلام کی موجودگی میں صرف حنفیت کے استحکام کے لیے اور اس مقصد کے لیے انور شاہ کشمیری صاحب المعروف بیہقی وقت اپنی عمر کے قیمتی ۳۰ سال صرف اس چیز کی تلاش میں صرف کر دیں کہ فقہ حنفی حدیث کے مطابق ہے یا نہیں؟ تو اس طرز عمل کو قرآن وسنت کا بغض نہ کہا جائے تو اسے اور کیا نام دیا جائے؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (آل عمران ۔ ۸۵)

جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا متلاشی ہوگا تو وہ دین اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

مقامِ عبرت ہے، کہ حنفیت کو سو سالہ دوام بخشنے والے اور اس کے استحکام کے لیے پیدا ہونے والے انور شاہ صاحب کشمیری اپنی عمر کے ۳۰ سال ضائع کرنے کے بعد مفتی محمد شفیع دیوبندی کے سامنے یوں کفِ افسوس بھی ملتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کریں اور امام ابو حنیفہ رحمہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں، یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا، اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کر دی" (کتابچہ "وحدت امت" ص۱۳)

کاش کہ دیوبندی مکتبۂ فکر کے اکابرین شاہ صاحب کے ان الفاظ پر کہ "کس چیز میں عمر برباد کر دی"، پر غور فرما کر اس دینِ اسلام کو مشعلِ راہ بنائیں جس پہ گامزن رہ کر انشاءاللہ نہ دنیا میں شاہ صاحب کی طرح کفِ افسوس ملیں گے اور نہ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ کی وعید کی مصداق بن کر آخرت میں نقصان اٹھائیں گے۔

تذکرہ

قاری طیب صاحب اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید فضائل بیان کرتے ہیں۔

"زمین مل جانے کے بعد حضرت مولانا محمد رفیع الدین صاحب قدس سرہ مہتمم ثانی دارالعلوم دیوبند (جو نقشبندی خاندان کے اکابرین میں سے تھے صاحبِ کشف و کمالات بزرگ تھے) کے زمانے میں عمارت مدرسہ تجویز ہوئی اور اس کی پہلی بنیاد کھود تیار کی گئی اور وقت آگیا کہ اسے بھرا جائے اور اس پر عمارت اٹھائی جائے کہ مولانا علیہ الرحمۃ نے خواب دیکھا کہ اس زمین پر حضرت اقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور عصا ہاتھ میں ہے۔ حضور ؐ نے مولانا سے فرمایا کہ شمال کی جانب جو بنیاد کھودی گئی ہے اس صحن مدرسہ چھوٹا اور تنگ

رہے گا اور آپؐ نے عصائے مبارک سے دس بیس گز شمال کی جانب ہٹ کر نشان لگایا کہ بنیاد یہاں ہونی چاہیے۔ مولانا علیہ الرحمۃ نے خواب دیکھنے کے بعد علی الصبح بنیادوں کے معائنہ کے لیے تشریف لے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان لگایا ہوا بدستور موجود تھا۔"
پھر نہ ممبروں سے پوچھا نہ کسی سے مشورہ کیا، اسی نشان زدہ پہ بنیاد کھدوا دی اور مدرسہ کی تعمیر شروع ہوگئی۔" (ماہنامہ الرشید ص ۱۲۹)

تبصرہ

یہی وہ طلسم ہوشربا حکایت تھی جس کی روشنی میں قاری طیب صاحب جیسے ذی علم بھی دھوکا کھا گئے پھر اس خواب کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

بات اگر زیارتِ نبوی سے مشرف ہونے کی حد تک ہوتی تو صبر بھی کیا جا سکتا تھا، اس لیے کہ اتحادی دین کے علمبرداروں کے مسلک میں اس قسم کے خواب نیک علامات ہی تصوّر نہیں کیے جاتے بلکہ اس کی تشہیر و تبلیغ بھی ثواب سمجھ کر کی جاتی ہے اور اکابر علماء کو فضیلت و تقدس کے نمبر بڑھانے میں مدد ملتی ہے۔ اس طرح خوابوں کا کاروبار یکے بعد دیگرے چلتا رہتا ہے۔

بقول قاری صاحب کے یہ صرف خواب نہیں بلکہ ایسی حقیقت ہے جو مخالفین کو خاموش کرنے اور مرعوب کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ جب نشان لگایا ہوا بدستور موجود ہو تو پھر انکار کی گنجائش کہاں باقی رہ جاتی ہے، اور پھر اس قصہ کی گواہی دینے والے قاری طیب صاحب ہوں تو ان کی گواہی کو رد کرنا سوئے ادب ہی ٹھہریگا۔ کس کی جرأت ہے کہ بے ادبی کرے۔

عظیم محدث امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ صحیح مسلم میں غالبًا صوفیاء کے متعلق صدیوں پہلے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا وہ اکابر علمائے دیوبند پر صادق آتا ہے کہ "جھوٹ ان کی زبان پر بے ساختہ جاری ہو جاتا تھا خواہ جھوٹ بولنے کا ان کا

ارادہ تک نہ ہو۔" (مقدمہ صحیح مسلم طبع مصر جلد اوّل ص۱۴)

تذکرہ

قاری طیب صاحب مزید آگے فرماتے ہیں:۔

"سنگِ بنیاد میں جس سے بھی پہل کرنے کو کہا جاتا تھا تو وہ کہتا کہ نہیں، فلاں سے ابتدا کروائی جائے، گویا بے نفسی کا یہ حال تھا کہ اپنے کو کمتر سمجھ کر کوئی آگے نہیں بڑھتا تھا، بالآخر حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری سے پہلی اینٹ رکھوائی گئی اور اس کے ساتھ ہی حضرت نانوتویؒ صاحب نے حضرت میاں منّے شاہ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا اور فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جنہیں گناہِ صغیرہ کا بھی کبھی تصور نہیں آیا۔ واضح ہوا کہ سنگِ بنیاد رکھنے والے بھی اہل اللہ تھے جو اتباعِ سنت اور روحانیت میں مستغرق تھے اور بے نفسی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔" (ماہنامہ الرشید ص۲۱)

تبصرہ

بلاشبہ واقعہ مذکورہ اس بات کا غمّاز ہے کہ اکابرینِ دیوبند کی فہرست میں اس قدر پہنچے ہوئے اور باکمال وہمہ صفت بزرگ بھی گذرے ہیں کہ یہ اندازہ کرنا انتہائی مشکل کام ہے کہ جس بزرگ کو حرفِ آخر سمجھا گیا وہ واقعی حرفِ آخر ہے یا اس میدان میں اور بھی باکمال شہسوار موجود ہیں۔ بھلا ہو نانوتوی صاحب بانیٔ دارالعلوم دیوبند کا جن کی مردم شناس نظروں نے حضرت منّے شاہ جیسی غیر معروف شخصیت میں بھی وہ جوہر تلاش کر لیے کہ انبیاء علیہ الصلاۃ والسلام اور ایک عام امتی میں کوئی فرق باقی نہیں رہنے دیا۔ اسی پر اکتفا نہیں بلکہ منّے شاہ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا کر ثابت کر دیا کہ خود نانوتوی صاحب کتنے درجے بلند پر فائز ہیں جو منّے شاہ کے دل کا حال بھی معلوم کر کے یہ بتا گئے کہ یہ وہ شخص ہے جنہیں گناہِ صغیرہ کا بھی کبھی تصور نہیں آیا۔

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے؟

بانیٔ دارالعلوم دیوبند قاسم نانوتوی صاحب نے اپنے رسالہ تحذیر الناس میں

جہاں عقیدۂ ختم نبوت کی دھجیاں بکھیر کر قادیانیوں کے لیے راہ ہموار کی وہیں اکابرین دیوبند کو بھی کُھل کھیلنے کا موقعہ عنایت فرما دیا۔ نانوتوی صاحب فرماتے ہیں:۔

"انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل تو اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں"

(رسالہ تحذیر الناس ص۵)

غور فرمایا آپ نے ذہنوں کو کس طرح اپنے نظریات کے سانچے میں ڈھالا جاتا ہے اس اصول کی روشنی میں اگر حضرت منتے شاہ کو گناہ صغیرہ کا بھی کبھی تصور نہ آئے تو اعتراض کی کون سی بات ہے، اس لیے کہ بقول نانوتوی صاحب امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں لیکن حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نہایت عاجزی و انکساری سے فرماتے ہیں:۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ (یوسف۔۵۳)

بے شک نفس امارہ تو (انسان کو) برائی کا حکم دیتا ہی رہتا ہے مگر یہ کہ میرا رب ہی رحم فرمائے (تو انسان بچ سکتا ہے)

اب اگر منتے شاہ بے نفسی میں ید طولیٰ رکھتے ہوئے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پاک دامنی، عصمت و عفت میں بڑھ گئے تو حیرت کی کون سی بات ہے، قاسم نانوتوی صاحب کی ذہن سازی کو ذہن میں رکھنا انتہائی ضروری ہے ورنہ اکابر کے کلام پر مخالف کے کلام کو بدکلامی پر محمول کیا جانا یقینی ہے۔

نوٹ:۔ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے ختم نبوّت کی عجیب و غریب تشریح کی ہے جس نے ختم نبوّت کی حیثیت ہی کو ختم کر دیا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"بالفرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کہیں کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے"

(تحذیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب ص۱۸ سطور ۳-۴)

دارالعلوم دیوبند کے بانی ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔" (تحذیر الناس ص۳۴ سطور ۴ و ۵)

اگرچہ مولوی قاسم صاحب نانوتوی اور دیوبندیوں کا عقیدہ ہے کہ اب کوئی شخص نبی نہیں بنایا جائے لیکن مولوی محمد قاسم صاحب کی مندرجہ بالا تحریرات نے ختم نبوت کی رکاوٹ کو تو ختم کر دیا۔ اب اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے تو مولوی قاسم صاحب کے نزدیک ختم نبوت اس کے لیے رکاوٹ کا باعث نہیں ہوگی گویا مولوی قاسم صاحب نے دجالوں اور کذابوں کے لیے نبوت کا دروازہ کھول دیا اور غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کے ہاتھ میں ایک دفاعی ہتھیار دے دیا (ختم نبوت سے انکار کفر ہے از مسعود احمد)

تذکرہ

الہامی مدرسہ کے مزید گوشے بے نقاب کرتے ہوئے قاری طیب صاحب فرماتے ہیں:۔

"حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ مدرس دارالعلوم دیوبند کا مکاشفہ اپنے بزرگوں سے بارہا سنا ہے، فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کی وسطی درسگاہ نودرہ سے عرش تک ایک مسلسل سلسلہ دیکھتا ہوں جس میں کہیں بھی بیچ میں فصل یا انقطاع نہیں، اس لیے بزرگوں کا بلکہ خود اپنا تجربہ ہے کہ مشکل سے مشکل مسئلہ جو بہت دقیق مطالعہ سے بھی حل نہیں ہوتا، اس درس گاہ میں بیٹھ کر پڑھنے اور سوچنے سے حل ہو جاتا ہے اور اس میں شرح صدر نصیب ہوتا ہے۔" (ماہنامہ الرشید ص۱۴۱)

تبصرہ

کتنی حیرت کی بات ہے کہ محدثین عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حصے میں نہ مکاشفے آئے اور نہ مراقبے اور نہ کشف و الہام کی سوغاتیں میسر آئیں۔ مگر احناف کا عقیدہ ہے:۔

ع یہ مرتبہ احناف کو ملنا تھا مل گیا
ہر کسی کے واسطے مکاشفہ و مراقبہ کہاں!

یا پھر زیارت نبوی سے مشرف ہونے کی سعادت ہی مل جاتی یا کم از کم نو درہ جیسی جگہ ہی میسر آجاتی تو وہ بھی شرح صدر حاصل کر کے اسنادِ حدیث کی قباحتیں اور علتیں معلوم کر لیتے کہ کون سی حدیث ضعیف ہے۔ کون سی حدیث گھڑی ہوئی ہے اور پھر ایک ایک حدیث کے لیے میلوں سفر کی صعوبتیں برداشت نہ کرنی پڑتیں، وہیں بیٹھے بیٹھے سب معلوم کر لیتے یا بذریعہ خواب معلوم کر لیتے تو شاید حدیث کو پرکھنے کے سو سے زائد فنون بھی ایجاد نہ کرنے پڑتے، نہ اسماء الرجال پر سینکڑوں کتابیں لکھی جاتیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ محدثین عظام اکابر دیو بند کی مثل پہنچے ہوئے بزرگ نہیں تھے، وہ تو صرف اللہ کے بندے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ امتی تھے اور دین اسلام کی پیروی کرنے والے تھے، نہ انہوں نے مذہب بنائے تھے، نہ مسلک ایجاد کیے تھے، نہ کسی خود ساختہ امام کے مقلد تھے۔ ایسی صورت میں وہ غیر شرعیہ لوازمات انہیں کہاں میسر آتے جن سے اکابر دیو بند مالا مال تھے مگر اتنے مالا مال ہونے کے باوجود وہ صراط مستقیم سے بچھڑنے کے بعد وہ اس راہ کی گرد بھی نہ پا سکے، معلوم نہیں نو درہ جیسی جگہ بیٹھ کر یہ حضرات اپنی کونسی مشکلیں حل کیا کرتے تھے کاش کہ وہ اتنا ہی معلوم کر لیتے کہ

"امام ابو حنیفہؒ میری امت کا چراغ ہیں" یہ حدیث کس نے گھڑی ہے؟

"اختلاف امتی رحمتی" یہ حدیث کس کذاب کی ذہنی اختراع ہے۔؟

"اصحابی کالنجوم اقتدیتم اھتدیتم" اس حدیث کی حیثیت کیا ہے؟

مزید براں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا ڈھونگ رچانے والے بتا سکتے ہیں کہ

۱ــــ نماز کی نیت زبان سے کرتے ہیں۔ یہ کس حدیث میں ہے؟

۲۔ مرد ناف کے نیچے ہاتھ باندھیں اور عورتیں سینہ پر۔ یہ کس کا حکم ہے؟
۳۔ گردن کا مسح پشت کف سے کرنا۔ کس کی پیروی ہے؟
۴۔ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کو لازم ٹھہرانا۔ کس کا حکم ہے؟
۵۔ رفع الیدین احناف نہیں کرتے۔ اسے کس نے منسوخ کیا؟
۶۔ ایک درہم سے کم نجاست غلیظ لگ جائے تب بھی نماز ہو جائے گی یہ کون سی حدیث ہے؟
۷۔ امامت کے لیے شرائط سر بڑا ہو شرم گاہ چھوٹی ہو۔ یہ کس حدیث سے ماخوذ ہے؟
۸۔ انگلی ناپاک ہو جائے تو تین مرتبہ چاٹ لو۔ یہ کس حدیث میں ہے؟

(ان آٹھ نکات کا ماخذ "تلاش حق" از مسعود احمد)

کاش کہ احناف اپنی متاع عزیز حنفی مذہب کے استحکام میں برباد نہ کرتے اور ان امور کی بھی تحقیق کر لیتے تو یقین کیجیے کہ اس خود ساختہ مذہب کا وجود ہی باقی نہ رہتا اور صراط مستقیم کی جستجو و تحقیق کے لیے کسی نو درہ قسم کی جگہ کی ضرورت کب باقی رہ جاتی اور یہ کوئی ایسا مشکل اور دقیق مسئلہ تو ہے نہیں کہ حل نہ ہو سکے۔ ہاں اس کے لیے ضرورت ہے تو صرف اس بات کی کہ سب سے پہلے مذہب اور تقلید کا پٹہ گردن سے اتارنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی بھی شخص خواہ کتنا ہی متقی اور پرہیزگار عابد و زاھد کیوں نہ ہو صراط مستقیم پر ہرگز گامزن نہیں ہو سکتا۔ تحقیق کے لیے تقلید کا قلادہ گردن سے اتار پھینکنا لازمی ہے ورنہ مذہب کے حصار میں مقید رہ کر کوئی شخص قرآن وسنّت کی گردان ہی کر سکتا ہے، اس پر عمل کرنا اس کے لیے ناممکن بلکہ قطعی ناممکن ہے۔ کاش کہ مذہب کے سرکردہ حضرات غور کریں کہ کس چیز میں عمر برباد کرنے پہ کمر بستہ ہیں۔

نوٹ:۔ ابھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ دوسرے سلسلہ کا نام ہے:۔

"تصوف کی حقیقت"

(الہامی مدرسہ کے اکابر علماء کی ذہن سازیاں)

نقد و تبصرہ — عامر عثمانی

کھرے کھوٹے

ماخذ: ماہ نامہ تجلی دیوبند (۱۹۶۲)

اب ایک حیرت ناک بات کا ذکر اور سنتے جائیے جو ہمارے لیے مستقل الجھن بن کر رہ گئی ہے۔ مولانا محمود الحسن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ہے "ایضاح الادلۃ" جو اہل حدیث کے رد میں لکھی گئی ہے اسے چھاپنے والے بھی ایسے ویسے بزرگ نہیں بلکہ مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ کی نگرانی میں چھپی ہے۔ اس میں صفحہ ۹۷ سے مولانا آزاد رحمانی نے ایک اقتباس پیش کیا۔ ہم چونک گئے دوڑ کر ایضاح الادلۃ اٹھائی۔ صفحہ ۹۷ کھولا۔ دو مرتبہ حرف حرف کا مقابلہ کر کے دیکھا کہ کہیں ناقل نے کوئی چالاکی تو نہیں کر دی ہے۔ مگر نہیں اقتباس تو حرفاً حرفاً درست نکلا۔ اور ہمیں مستقل ایک دردِ سر دے گیا۔ لیجئے معمہ حل کرنے کے لیے اُن دراز قامت دیوبندیوں کی خدمت میں پیش ہے جو مونچھوں پہ تاؤ دے کر دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے اکابر نہ سہی معصوم مگر محفوظ عن الخطا ضرور تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ ایک اہل حدیث بزرگ سے خطاب کرتے ہوئے دورانِ بحث میں فرماتے ہیں:۔

"یہی وجہ ہے کہ یہ ارشاد ہوا فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ، اور ظاہر ہے کہ اولوالامر سے مراد اس آیت میں سوائے انبیاء کرام علیہم السلام اور کوئی ہیں۔ سو دیکھیے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت انبیاء و جملہ اولی الامر واجب الاتباع ہیں۔ آپ نے فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر۔ تو دیکھ لی اور آپ کو یہ اب تک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن مجید میں یہ آیت ہے اسی قرآن میں آیت مذکورہ

بالا معروضہ احقر بھی موجود ہے۔ عجب نہیں کہ آپ تو دونوں آیتوں کو حسبِ عادت متعارض سمجھ کر ایک کے ناسخ اور دوسرے کے منسوخ ہونے کا فتویٰ لگانے لگیں"۔

مولانا رحمانی کو حیرت ہے ــــ اور بجا حیرت ہے کہ یہ کون سا قرآن ہے جس سے حضرت شیخ الہندؒ آیت نقل فرما رہے ہیں ــــ واقعی عجیب بات ہے کہ حضرت شیخ نے بڑے جزم اور وثوق کے ساتھ الفاظ کے ایک ایسے مجموعے کو قرآن کی آیت قرار دے دیا جو تیس پاروں میں کسی بھی جگہ موجود نہیں ہے۔ ہم حافظ نہیں ہیں مگر کسی حافظ سے پوچھ لینا تو کچھ مشکل نہیں تھا ویسے حافظ سے تحقیق کیے بغیر ہی ہمیں اطمینان ہو گیا تھا کہ رحمانی صاحب کی نشاندہی درست ہے اور حضرت شیخ سے چوک ہو گئی ہے۔ اس یقین کی بنیاد یہ تھی کہ فان تنازعتم والی آیت قرآن میں صرف ایک ہی جگہ آئی ہے اور وہ بھی ہمیں اس لیے یاد ہے کہ مضامین کے دوران عموماً اس کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔

اس موقع پر ہمارے ذہن کے ایک تاریک گوشے میں اُس عقیدت نے سر ابھارا جو ہمیں حضرت شیخ الہندؒ سے ہے شیخ الہندؒ نہ صرف بڑے عالم تھے بلکہ رہنمائے طریقت بھی تھے۔ ہمارے والد رحمۃ اللہ علیہ انہی کے مرید تھے، جذبۂ عقیدت کی بنا پر ہم نے خاصی دماغ سوزی کی کہ کوئی معقول سی تاویل اس سہو کے جواز کی ڈھونڈھ لائیں مگر ہمیں اعتراف ہے کہ جوئے شیر لانے میں کامیابی نہ ہو سکی۔ کتابت کی غلطی اس لیے نہیں کہی جا سکتی کہ حضرت شیخ کا استدلال ہی اُس ٹکڑے پر قائم ہے جو اضافہ شدہ ہے اور آیت کی اسی اضافہ شدہ شکل کا قرآن میں موجود ہونا وہ شد و مد سے بیان فرما رہے ہیں اولی الامر کے واجب الاتباع ہونے کا استنباط بھی اسی سے کر رہے ہیں اور حیرت در حیرت یہ کہ جس مقصد سے اصل آیت نازل ہوئی تھی اسے ان کے اضافہ کردہ فقرے اور اس کے استدلال نے بالکل الٹ دیا ہے۔ قرآن اٹھا کر سورۂ نساء کھولیے۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ	اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ

كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (سورہ نساء (رکوع ۸)

کے اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔

یہ ترجمہ ہم نے حضرت شیخ الہندؒ کے مترجم قرآن سے نقل کیا ہے اس پر علامہ شبیر احمدؒ کا تفسیری حاشیہ یہ ہے۔

"یعنی اور اگر تم ہیں اور اولوالامر میں باہم اختلاف ہو جائے کہ حاکم کا یہ حکم اللہ اور رسول کے حکم کے موافق ہے یا مخالف تو اس کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کر کے طے کر لیا کرو کہ وہ حکم فی الحقیقت اللہ اور رسول کے حکم کے موافق ہے یا مخالف اور جو بات محقق ہو جائے اسی کو بالاتفاق مسلّم اور معمول بہ سمجھنا چاہیئے۔"

اب اس عظیم سہو کا اندازہ کیجیے جو حضرت شیخ الہند سے ہوا ہے۔ جو آیت یہ بتانے نازل ہوئی تھی کہ عوام اور حکام کے مابین اختلاف رائے کی صورت میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرنا چاہیے اسی میں حضرت موصوف نے نہ جانے کیسے ایک فقرہ بڑھا دیا جو حکام کو بجائے فریق کے جج بنائے دے رہا ہے۔ پھر اس فقرے میں اولوالامر کا دائرہ انہوں نے ائمہ مجتہدین تک پھیلا دیا۔ جن کی تقلید کی جاتی ہے تاکہ اہل حدیث کے بالمقابل مسلک تقلید کی صحت پر استدلال کیا جا سکے۔ حالانکہ خود انہی کے ترجمے میں اولوالامر سے مراد حکام وقت ہیں نہ کہ مجتہدین اور تمام ہی مستند مفسرین اسی مراد پر متفق ہیں۔ پھر نہ جانے کیسے انہوں نے آیت کی اس اضافہ شدہ شکل کو شد و مد کے ساتھ قرآن کی آیت قرار دید یا حالانکہ ایسا کرتے ہوئے یہ آیت ہی بے معنی اور اپنی معلوم و متفق علیہ مراد کے منافی ہو گئی۔

ہمیں یہ خیال ہوا کہ دیکھیں قرآن میں آگے بھی ایک جگہ اولی الامر کا تذکرہ آیا ہے کہیں ایسا تو نہیں شیخ کو وہاں سے تشابہ لگ گیا ہو۔ صفحات الٹے۔ آیات دیکھیں مگر مضطرب ذہن کوئی بھی صورت تسکین نہیں نکال سکا۔ آپ بھی دیکھیں کوئی صورت توجیہہ و تطبیق کی بنتی ہے یا نہیں۔ اسی سورۂ نساء میں آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ۔ (النساء ـ ۸۳)	جب ان کے پاس پہنچتی ہے کوئی چیز امن کی یا ڈر کی تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔ اور اگر اس کو پہنچا دیتے رسول تک اور اپنے حاکموں تک تو تحقیق کرتے اس کو جو ان میں تحقیق کرنے ہیں اس کی۔

نہ تو لفظاً اس آیت میں گنجائش ہے کہ فان تنازعتم والی آیت سے تشابہ لگ سکے نہ معناً یہ اشتباہ و توارد کا گمان پیدا کر سکتی ہے۔ ترجمہ آپ کے سامنے ہے جو شیخ الہندؒ ہی کا ہے اور تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے مزید وضاحت کر دی ہے کہ روئے سخن ان منافقوں اور کم سمجھ مسلمانوں کی طرف ہے جو بہت سی باتیں بلا تحقیق مشہور کر دیتے ہیں حالانکہ اگر وہ خاموشی سے یہ باتیں رسول اور دوسرے حاکموں تک پہنچا دیتے تو اہل نظر ان کی تحقیق کر لیتے۔

معلوم ہوا کہ یہ آیات بھی نہ تو مجتہدین وغیرہ کی تقلید وغیرہ سے کوئی تعلق رکھتی ہیں نہ ان میں الفاظ کا در و بست ایسا ہے کہ حافظے کی ذرا سی چوک سے وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ کا فقرہ یہاں سے اکھڑ کر فَإِن تَنَازَعْتُمْ والی آیت میں جا لگے۔

اندھی عقیدت وہ بلا ہے کہ الامان والحفیظ۔ "ایضاح الادلہ" کے ایڈیشن پر ایڈیشن چھپے ہیں ہم نے وہ آخری ایڈیشن بھی دیکھ لیا جو مراد آباد میں چھپا ہے اس میں تبدیلی تو کیا ہوتی ایک یہ اضافہ ضرور ہوا کہ مصحح یا ناشر صاحب نے حاشیے پر آیت کا اردو ترجمہ درج فرما دیا اور یہ کھوجنے کی توفیق پھر بھی نہ ہوئی کہ قرآن میں کس جگہ یہ آیت آئی ہے نہ یہ سوچ کر چونکنا نصیب ہوا کہ یہ اختلافی امور میں اولوالامر کی طرف رجوع کرنے کا نیا شوشہ کیسے نکلا۔ کسی حافظ کسی مولوی نے اسے پڑھا ہی ہوگا مگر عقیدت جب نشہ بن کر اعصاب پر سوار ہوتی ہے تو یادداشت اور فکر و فہم کی سب صلاحیتیں گہری نیند سو جاتی ہیں کسی کو نظر نہ آیا کہ حضرت شیخ سے کیا چوک ہو گئی

ہے اور اگر نظر بھی آیا ہو تو شاید یہ سوچ کر خاموشی اختیار کر لی گئی کہ

خطائے بزرگاں گرفتن خطاست

ہم ایسی عقیدت، ایسی حق پوش عصبیت، ایسی کورانہ نیازمندی سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ حضرت شیخ انسان تھے۔ بلا تأمل تسلیم کر لینا چاہیے کہ ان سے قصور ہو گیا ہے۔ یہ کیا کہ ہم سے قصور ہو تو وہ سہو و نسیان اور دوسروں سے قصور ہو تو وہ خباثت و شرارت

میں اپنے بھائی دیوبندیوں سے پوچھتا ہوں استادِ محترم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے "الشہاب الثاقب" میں محمد بن عبد الوہاب نجدی کو برملا ظالم و باغی اور خونخوار فاسق لکھا (صلا) پھر اسی پر بس نہیں کی۔ چند سطروں میں تین مرتبہ ان سے منسوب گروہ کو خبیث کے لفظ سے نوازا۔ (ص۵۱ و ۵۲) اور یہاں تک ارشاد ہوا کہ یہ لوگ اپنے آپ کو مماثل ذات سرورِ کائنات خیال کرتے ہیں۔ (ص۴۷) خبیث بڑا مکروہ لفظ ہے لڑائی جھگڑے میں اس کا استعمال ہم جیسے کریں تو کریں مگر کسی بڑے عالم کو زیب نہیں دیتا کہ وہ ایسے شخص کو خبیث کہے جس کی کوئی خباثت اس نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی اور نہ کسی قابل وثوق ذریعہ سے اس کی اطلاع اسے پہنچی۔ محض سُنی سُنائی اور ہمہ شما کی تحریر کردہ معلومات پر تکیہ کر کے خبیث و فسق کے تحفے دینا داخل انصاف ہے تو پھر بریلویوں ہی کی دریدہ دہنیوں کا شکوہ ہم کس مُنہ سے کر سکتے ہیں۔ سرخاب کا پر نہ ہمارے بزرگوں میں ہے نہ دوسروں کے بزرگوں میں۔ ہم سب اللہ اور رسول کے غلام ہیں۔ افہام و تفہیم کی حد تک متین گفتگو ہونی چاہیے گالی گلوچ اہل علم کا شیوہ نہیں۔ اسے بریلویوں ہی کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔

یہ تبصرہ تو تھا ابتدائی حصے سے متعلق۔ اسے ہم نے طول اس لیے دیا کہ شاید کسی کے لیے تازیانۂ عبرت بن جائے۔ خود تنقیدی ہی وہ وصف ہے جو انسان کو دوسروں کے ساتھ انصاف کرنے پر مائل کر سکتا ہے۔

تلخیص:۔ محمد صدیق میمن۔

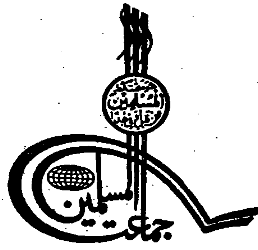
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت المسلمین کی دعوت

ہمارا حاکم	صرف ایک	یعنی : اللہ تبارک وتعالےٰ	.. اللہ کے سوا کوئی نہیں
ہمارا امام	صرف ایک	یعنی : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	.. فرقہ وارانہ امام نہیں
ہمارا دین	صرف ایک	یعنی : اللہ کا پسند کردہ دین اسلام	.. فرقہ وارانہ مذہب نہیں
ہمارا نام	صرف ایک	یعنی : اللہ کا رکھا ہوا نام مسلمین	.. فرقہ وارانہ نام نہیں
بنیادِ محبت	صرف ایک	یعنی : اللہ تعالےٰ سے تعلق	.. دنیوی تعلقات نہیں
وجہِ افتخار	صرف ایک	یعنی : ایمان باللہ العظیم	.. وطن اور زبان نہیں

اگر آپ ہماری اس دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔
تعارفی پمفلٹ مفت طلب فرمائیں۔

جماعت المسلمین



JAMAAT-UL-MUSLIMEEN [INDIA]

[Preaching pure and unadulterated Islam]

www.india.aljamaat.org

Flat #204, Saleem Masood Complex,
Nizam Colony, Toli chowki,
Hyderabad – 500 008 (A.P.)
Cell: 9246343676 / 7396620946